



حقیقتِ تقویٰ

تالیف
سید ریاض حسین شاہ

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ (رجسٹرڈ) راولپنڈی



حقیقتِ تقویٰ

تالیف

سید ریاض حسین شاہ ۱

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ

پوسٹ بکس نمبر ۸۶۹ — راولپنڈی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر	صفحہ	مضمون	نمبر
۱۸	تقویٰ اور قسب الہی	۱۳	۵	تعارف	۱
۱۹	تقویٰ اور امتیاز	۱۴	۷	تقدیم	۲
۲۰	تقویٰ اور رزق کی کشادگی	۱۵	۱۰	تقویٰ کے تین مرتبے	۳
۲۲	تشکیل تقویٰ کی بنیادیں	۱۶	۱۱	پہلا مرتبہ	۴
۲۲	مضبوط ایمان	۱۷	۱۲	دوسرا مرتبہ	۵
۲۳	عبادت گزار کی تعمیر	۱۸	۱۳	تیسرا مرتبہ	۶
۲۳	پیر و مرشد کا وسیلہ	۱۹	۱۴	تقویٰ کی اہمیت	۷
۲۵	عز و فخر	۲۰	۱۵	تقویٰ کی حد	۸
۲۶	چند مثالیں	۲۱	۱۵	تقویٰ کے اثرات	۹
۲۷	علم شریعت	۲۱	۱۶	انسانی عظمت کا راز	۱۰
۲۸	نورِ خدا	۲۲	۱۷	تقویٰ اور نیکو خلق	۱۱
۳۱	دعا	۲۳	۱۸	تقویٰ اور سکونِ زندگی	۱۲

جلاوطنی کے بعد

کتاب _____ حقیقت تقویٰ

مصنف _____ سید یحییٰ حسین شاہ

ناشر _____ ادارہ تعلیمات اسلامیہ اولیٰ پٹی

تعداد بار اول ۱۹۸۱ء _____ ایک ہزار

بار دوم ۱۹۸۳ء _____ گیارہ سو

قیمت _____ ۲/۵۰

تعارف

سید ریاض حسین صاحب کسی زمانے میں میرے شاگرد رہے ہیں۔ اور اس بعد مجھ سے بہت اگے نکل چکے ہیں۔ مجھے تیار شناسی کا دعویٰ تو نہیں البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ مجھے اُسی زمانہ میں اندازہ ہو چکا تھا کہ ریاض صاحب ایک نہ ایک دن علمی دنیا میں ضرور اپنا نام پیدا کریں گے؟ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ آپ نے کالج کی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تحصیل کے لیے مستند علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بالآخر سند نفیلت سے سرفراز ہوئے۔ آج آپ علمی جستجو کے ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں خرقی کا ایک وسیع میدان آپ کی جدوجہد کا انتظار کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں بھی ان کی کامیابیوں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔

ہمارے ہاں عام طور پر سند فراغت کو مطالعہ سے فراغت کا مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد علماء محدود و منحصر منحصباتی کتابوں سے ہٹ کر کچھ پڑھنے پڑھانے کو کسر پرشان خیال سمجھتے ہیں۔ اس طرح ان کی ذہنی صلاحیتوں میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہو جاتا ہے لیکن مولانا ریاض صاحب کو اللہ نے مطالعہ کا خاص ذوق بخشا ہے۔ وہ اس

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴	استقامت	۳۶	۳۷	تقویٰ اور وعدہ کی پابندی	۵۳
۲۵	تقویٰ کے تقاضے	۳۸	۳۸	تقویٰ اور اصول تعاون	۵۵
۲۶	شرک سے اجتناب	۴۲	۴۹	تقویٰ اور نفیلت سے بچنا	۵۹
۲۷	نظام عبادت کا قیام	۴۵	۵۰	تقویٰ اور حرمت سود	۵۹
۲۸	عبادت کی اصل خدا کا ذکر	۴۵	۶۱	تقویٰ اور برکاری سے اجتناب	۶۵
۲۹	تقویٰ اور شکر آخرت	۴۶	۶۲	تقویٰ اور اساس مل	۶۷
۳۰	تقویٰ اور اصلاح معاشرہ	۴۷	۶۳	تقویٰ اور عفو و درگزر	۶۸
۳۱	تقویٰ اور اتحاد و ملت	۴۹	۶۴	تقویٰ اور سچائی	۷۱
۳۲	شارعہ کی تعلیم	۴۲	۶۵	تقویٰ اور احسان	۷۳
۳۳	تقویٰ اور احترام رسول	۴۳	۶۶	تقویٰ اور مہربانی	۷۵
۳۴	تقویٰ اور قیام عدل	۴۵	۶۷	تقویٰ اور تیاری جہاد	۷۷
۳۵	تقویٰ اور رسوم بعض	۴۹	۶۸	اختتام	۷۹
۳۶	تقویٰ اور خیرات عام کی تعلیم	۵۰	۶۹	تقریظ	۸۰

خدا واسطہ حیثیت کو بطریق امن استعمال کرنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں۔
جوں جوں ان کا مطالعہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کی نظر میں وسعت اور فکر
میں گہرائی پیدا ہوتی جاتی ہے۔

ادھر میری عادت یہ ہے کہ میں جس شخص میں مطالعہ کا ذوق دیکھتا ہوں
اُسے کسی نہ کسی طرح تصنیف تالیف کے کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔
ریاض صاحب کو میں نے ہمیشہ اس طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ ان کے
میلان طبع پر میری کوشش نے وہی اثر کیا جو سونے پر سہاگو کرتا ہے۔ بہر حال مجھے
خوشی ہے کہ ریاض صاحب تصنیف تالیف کی طرف مائل ہی نہیں ہوئے بلکہ
وہ عملاً اس کام میں مصروف ہو گئے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا موصوف میرے پاس ایک تحریر لکھائے جس میں تقویٰ کے
موضوع پر بحث کی گئی تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ آپ اس موضوع پر
منفصل مقالہ لکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے یہ کام مکمل ہو گیا۔ اور اب
آپ کے قدر والے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ میری رائے میں اس اہم موضوع پر
ریاض صاحب کے قیمتی خیالات یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔ ان کا سادہ مگر
نور اسلوب بیان میری اس رائے کو مزید تقویت پہنچا رہا ہے۔ میں جہاں
ان کی اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں وہاں یہ توقع بھی کرتا ہوں کہ وہ
اپنے برخاست قلم سے اہل ذوق کو بدستور نوازتے رہیں گے۔

پروفیسر رحیم بخش شاہین

”نطق و کلام“

دوسرے ایڈیشن کے لئے

آج سے دو سال قبل راولپنڈی کے چند نوجوان جو علم و ادب اور دین و ملت کی
خدمت کا جذبہ بے تاب لئے ہوئے سفینۂ ملت کو منزل اشیا کرنے کی تدبیریں سوچ رہے
تھے۔ بالآخر اسی دعا کش کا نتیجہ ادارۃ تعلیمات اسلامیہ کی صورت میں نکلا۔
علمی و فکری بنیادوں پر قائم ہونے والے اس ادارے نے سب سے پہلے مجھے ”منزل“
کے بعد حقیقت تقویٰ قوم کی خدمت میں پیش کی۔ جس کی علوم و خواص میں خاطر خواہ
پذیرائی ہوئی۔ اس کی وجہ نہ صرف اس کتاب میں بکھرے ہوئے انمول
موتی ہیں، بلکہ مصنف کی بلند پایہ شخصیت کا بھی اس میں خاصا دخل ہے۔
اس کی مسلسل مانگ کے پیش نظر دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت
محسوس ہوئی۔ دوستوں کے اخلاص نے تائید و ایزدی کو مائل بہ کرم کیا اور ہر نرم
طابانِ رضائے مصطفیٰ راولپنڈی نے ”حقیقت تقویٰ“ کی اس اشاعت کیلئے
ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

اللہ کرے۔ ہمارا حلقہ یارانِ بڑھتا رہے۔ اور ہم دین کی خدمت کرتے رہیں۔
تا کہ ایک نیا کتاب لکھے اور ہم اپنے محبوب کو پائیں (سلا میض)

رضا فاروقی سکریٹری جنرل

ادارۃ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقویٰ انسانی زندگی کی وہ صفت ہے جو تمام اسباب کی تعلیم کا پھول ہے۔
اس کا لغوی معنی تو کسی شے سے دور رہنے، اُس سے بچنے یا اُسے چھوڑنے ہی
کے ہوتے ہیں، لیکن شریعت اسلام میں تقویٰ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے مختصر
طور پر تقویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دل کی اُس حالت
کا نام ہے جس کی موجودگی میں انسان ہر اُس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے
جو اللہ پاک کو ناپسند ہو۔

”اتقوا الاغصال یا النبیات“ کے تحت جس طرح نیت ہر عمل کی
جان ہوتی ہے اسی طرح تقویٰ میں بھی اسے بڑا دخل ہے۔ اگر ارتکاب گناہ اور
حسد کی نافرمانی سے صرف اس لیے بچا جائے کہ حسد نافرمان ہو گیا یا رست
الہی سے محرومی ہوگی تو تقویٰ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے ورنہ اگر خیال بھلائی
یا بدنامی کا ڈر ہو یا کوئی عمل دکھلاوے کے لئے کیا جائے تو تقویٰ نہیں ہوگا۔
قرآن وحدیث میں لفظ ”تقویٰ“ مختلف صورتوں میں بے شمار مقامات
پر استعمال کیا گیا ہے۔ مختلف استعمالات کے پیش نظر اس کی تعریف
یوں کی جاسکتی ہے :

”تقویٰ رذائل سے بچنے اور فضائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے“

نصرت بادی فرمایا کرتے تھے کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز
سے بچے۔ — طلق ابن عبید کا قول ہے کہ
”اللہ کے عذاب سے ڈر کر اس کے نور کے مطابق المعاتب
خداوندی یعنی اس کے احکام پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔“

(رسالہ تشبیہ)

حضرت جمشید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ :
”زندگی اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارنا تقویٰ ہے۔“
”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الانبار رضی اللہ عنہ سے
تقویٰ کی تعریف پوچھی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ سے سوال کیا : ”کیا آپ کبھی خاردار راستہ پر چلے ہیں ؟“
آپ نے جواب دیا ”ہاں“ پھر پوچھا کہ ”آپ نے کیا طریقہ استعمال
کیا ؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”میں کانٹوں سے بچ پھرتا
کہ اور کپڑوں کو سمیٹ کر چلوں“ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا
”یہی ”تقویٰ“ ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خاردار راستے کی ہے مومن
کا کام یہ ہے کہ اس میں سے گزرتے ہوئے دامن سمیٹ کر چلے۔ اُس کی
کامیابی اسی میں ہے کہ ہر کام میں دیکھے کہ اس میں خدا کی خوشنودی مضمر
ہے یا نہیں۔

ابو عبد اللہ رودباری فرمایا کرتے تھے کہ ”تقویٰ یہ ہے کہ اُن تمام چیزوں

سے اجتناب کیا جائے جو اللہ سے دُور رکھنے والی ہوں؟

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ — اپنے تقویٰ سے بچنے

کا نام تقویٰ ہے۔

مشتقی آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاضے سے اپنے اس لئے کہ یہ اعمال کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح دیمک لکڑ کو کھا جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے عقائد میں ایک بار قحط پڑ گیا لوگ آپ کے پاس دُعا کروانے کے لیے آئے۔ آپ فرمانے لگے بارش اس لئے نہیں ہوتی کہ گناہ گار زیادہ ہو گئے ہیں اور سب سے بڑا گناہ گار میں ہوں۔ اگر مجھے شہر سے نکال دیا جائے تو بارانِ رحمت برسنے لگے گی۔

اللہ اُن لوگوں پر رحمتیں برساتے عظیم ہوتے ہوتے بھی اُن کے ہاں دعویٰ نہیں تھا اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔

فردینی است دلیل رسیدگان کمال

کہ چون سوار بمنزل رسد پیادو شود

یعنی اہل کمال کی نشانی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ سوار جب منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کے تین درجے

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے افراد التضرع میں تقویٰ کے

تین درجے نقل کئے ہیں۔

پہلا مرتبہ

التقوى عت العذاب الخلد۔ اللہ ہی عن الشرک

ذو القربى علیہ السلام

عذابِ آخرت سے ڈر کر اپنے آپ کو شرک سے بچانا تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، صفات اور افعال میں نیکیا جانا تقویٰ کا پہلا زینہ ہے۔ مومن کے عرفانی مدارج کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اُس کی رگ و جان میں توحید رچی بسی ہوتی ہے۔ وہ اللہ ہی کو معبود سمجھتا ہے اور اُسی ذات کو مقصود تصور کرتا ہے۔ مگر یہ سب کو تسلیم ہے کہ معبود وہی ہے مگر کم میں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے۔

مشتقی شرک کو عظیم عقلم سمجھتا ہے۔ اُس کی دعوت و تبلیغ کا محور اثبات توحید اور تردید شرک ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ توہینِ انبیاء اور گستاخیِ اولیاء توحید نہیں بلکہ جرمِ عظیم ہے۔ جس طرح حشہ اکی ذات و صفات میں کسی کو شرک سمجھنا کفر ہے اسی طرح انبیاء و مرسلین کو اپنی طرح سمجھنا یا اپنے آپ کو اُن کے مثل جانا صریح کفر ہے۔ اللہ پاک ہر قسم کے شرک سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عقائد کا ٹھیک ہونا تقویٰ کی جان ہے۔ سورہ یقوینِ مشتقی کی تعریف میں اُس کے اعمال کے ساتھ ساتھ راسخ عقائد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُ بِمَعْذِرَاتِ الْغَيْبِ وَيُؤْتِيْهِ مَالًا مِّنْ الْمَصْلُوٰۃِ

نہیں بلکہ امتحان گاہ ہے اور ایک نہ ایک دن اُسے ضرور اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہونا ہے۔

تقویٰ کا تیسرا مرتبہ

علامہ ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں:

والشالشة ان يتنزه عما يشغل سره عن الحق
ويستقبل اليه بشراشرة وهو التقوى الحقيقية المطلوبة
(انوار التنزيل جلد اول)

ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا اور اُس سے غافل نہ رہنے والی اشیاء سے لاتعلق ہو جانا تقویٰ ہے اور تقویٰ کی یہی حالت حقیقی اور مطلوب و مقصود ہے۔

یہاں تعلق سے مراد ہر وقت غذا کو یاد رکھنا ہے۔ ہر فعل میں اُس کی رضا دیکھنا ہے۔ بعض صوفیاء کا ”پاس انفس“ کا معمول بھی تقویٰ کے اس مفہوم میں آسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تقویٰ کی اس حالت کو ”ماسوئی اللہ بس“ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا۔

قرآن مجید میں پروردگار عالم ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (ال عمران ۱۰۲)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔

وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُؤْمِنُونَ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ (القرآن ۲: ۶۴)

”وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم رکھتے ہیں اور ہلکے دینے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں جو آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں؟“

دوسرا مرتبہ

التجنب عن كل ما يوشع من اورك حتى
الصفاشر (انوار التنزيل جلد اول ص ۱۱)

ہر وہ فعل جس میں گناہ کا اندیشہ ہو یہاں تک کہ صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کہلاتا ہے۔

تقویٰ کے اس مرتبہ کی طرف قرآن حکیم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:
وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ النَّبِيِّ أَمَنُوا أَتُكَو ۚ (الاعراف ۱۱)
اگاشیں بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے۔

مشقی کے لیے اُن حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جو کائنات کے خالق نے متعین کی ہیں۔ یہ سب کچھ اُسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب خوفِ الہی دل میں پوری طرح جاگزیں ہو اور انسان ہر وقت یہ سوچے کہ یہ دنیا اندیر رنگی

انسان کو ہر وقت اس کوشش میں لگے رہنا چاہیے کہ کوئی چیز راہِ دین سے غفلت کا سبب نہ بنے۔ شیطانِ طاقتیں اُس پر غالب نہ آئیں۔ نفسِ بارہ اُسے اپنے دامن میں نہ لے لے۔ اور یہ سب کچھ عملِ پیہم اور جہادِ مسلسل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ جذبہٴ صادق اس سلسلہ میں مدد اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت

مشتیانہ زندگی انسان کو نرنے کا انسان بنا دیتی ہے۔ مسلمان صرف اجتماعی زندگی ہی میں ایک ضابطے کا پابند نہیں بلکہ وہ انفرادی زندگی میں بھی ایک دستور اور قانون کے مطابق تعمیر اور تطہیر حیات کی منازل طے کرتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور قول و فعل رضائے الہی کے حصول کے لیے ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار پوچھا گیا ”آلِ نبی کون لوگ ہیں؟“ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”مشتقی“۔
علاوہ ازیں اسلام کا سارا نظام عبادت یہی مقصد رکھتا ہے کہ لوگ ”مشتقی“ یعنی صاحبِ سر و دار بن جائیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ”تقویٰ“ کے لیے دعا فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے،
اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالْهُدَى
وَالْعَفَافَ وَالْعَفَى۔
”اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ اور عفت و عفا کا
سوال کرتا ہوں۔“

تقویٰ کی حد

انبیاء کرام معصوم ہستیاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تخلیق ہی ایسے کرتا ہے کہ وہ بشری کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ”تقویٰ“ اگر پوری آب و تاب کے ساتھ کہیں دکھائی دے سکتا ہے تو وہ انبیاء ہی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شخص کی زندگی میں ”تقویٰ“ اُس کمالیت کے ساتھ جو انبیاء کے ہاں ہوتی ہے نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی بلکہ ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

یعنی تقویٰ کا حق ادا کرنے میں تم کوئی کسر نہ اٹھا رکھو بلکہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق یہ کوشش کرے کہ اُس کی زندگی احکامِ الہی کے مطابق بسر ہو۔

تقویٰ کے اثرات

اسلامی ریکریٹر یعنی تقویٰ کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی زندگی

پر سبے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دینی اور دنیوی زندگی میں اس کی بدولت انسانی ضمیر کو سکون و چین میسر ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں تقویٰ کے اثرات پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

انسانی عظمت کا راز

عظمت اور بزرگی کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ ہر شخص معاشرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں عظمت و شرافت اور بلند مراتب کا معیار دولت کی کثرت نہیں۔ مالی و زر کا ہونا نہیں اور نہ ہی حسن و جمال کو اس میں کوئی دخل ہے بلکہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کی خاطر گزارنا فضیلت کی اصل کسوٹی ہے۔

قرآن مجید اس بات کی تائید یوں کرتا ہے :

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ (المحجرات ۱۳)

اللہ کے نزدیک معزز ترین شخص متقی ہی ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حقیقی شرف تقویٰ ہی میں ہے۔ آپ نے قبلہ کے خطبہ میں ایک بار ارشاد فرمایا :
”تقویٰ عزت دلاتا ہے اور اللہ کو خوش کرتا ہے“

معلوم ہوا حسب و نسب کی روحانی اور مقصودی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں بلکہ یہ وہ بت ہیں جن کی پر جاسے ہماری قوم مسلم قومیت کھڑی جا رہی ہے نسلی اور معاشی امتیازات نے ہماری اسلامی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا کر

دیا ہے۔ علاقائی تعصبات دل و دماغ پر پوری طرح تسلط چارہ ہے ہیں اور یہ سب کچھ تقویٰ کے منافی ہے۔

تقویٰ اور فلاح حقیقی

انسان جب تک نظام وحی سے راہبری حاصل نہیں کرتا نقصان اور خیارے میں رہتا ہے۔ ہدایت کے لیے وجدان اور عقل اس کے لیے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق اور عبادی کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اکثر فیصلے غلط کرتا ہے۔ اس کی دماغی اور ذہنی قوتیں زندگی کی پُر پیچ راہوں میں اس کی ساتھی نہیں بنتیں۔ وہ یہاں پہنچ کر بے بس ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہیں کسی عبادی کو تلاش کرتی ہیں۔ اگر اس بیچارگی کے عالم میں وہ فطرت کی آواز سن کر اپنے خالق و مالک کے ”نظام ہدایت“ جو مختلف ادوار میں انبیاء کی وساطت سے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہا کو پہچان لے تو فطرت اسے فلاح کا پیغام دیتی ہے۔

وہ لوگ جن کے سینے ایمان سے خالی ہیں اور ان کے اعمال قرآن و سنت کے برعکس ہیں بے شک وہ انسان تو ہیں لیکن ”نظام وحی“ سے عدم متک کی بنا پر نقصان و شہر ان کا مقتدر ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَاسِرٌ (المعصر ۲)

بے شک انسان خسران میں ہے

نقصان کے مقابلہ میں قرآن ”فلاح“ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور

”فلاح“ کی شرائط میں تقویٰ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

سورہ ”البقرہ“ میں متقی کی چند صفات بیان کرنے کے بعد رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں :

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ (البقرہ ۵)

یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی کامیاب و کامران

تقویٰ اور سکون زندگی

کون نہیں جانتا کہ ہماری زندگی میں جتنی بھی مشکلات ہیں ”قرآن“ سے بنیاد ہی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو تربیت کے لیے قرآنی سانچہ میں ڈالتے ہیں اس کا مطلوب کردار جس کو وہ ”تقویٰ“ کا نام دیتا ہے اپنے اندر پیدا کر لیتے تو یقیناً ہماری زندگی میں اس قدر بے چینیاں نہ ہوتیں بلکہ سکون و آرام سے دن گزارتے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا يُؤْتِهِ مِمَّا يُرِيدُ

(القرآن) (الطلاق: ۳)

تقویٰ اور قرب الہی

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے :

إِنِ اتَّخَذَتِ الْأُمَّةُ الْكُفْرَ الْوَسِيلَ إِلَى اللَّهِ لَا يَسْلُكُوهُ إِلَّا الْيَاقِينُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ

لَا يَعْلَمُونَ ۝ (الأنفال: ۳۳)

بلاشبہ متقی ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

انکو صحیح معنوں میں پرہیزگاری ہمارا شعار بن جائے۔ خدا کا خوف ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے تو ”نَحْنُ أَقْسَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبِيبِ الْأَرَبِ“ (ہم شرک سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی نوید جانے لگا۔ آج بھی قرآن سننا ہے۔ متقی ہی کے بارے میں رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں :

إِنِ اتَّخَذَتِ الْأُمَّةُ الْيَهُودُ الْنَصْرَ الْوَسِيلَ إِلَى اللَّهِ لَا يَسْلُكُوهُ إِلَّا الْيَاقِينُونَ ۝ (التوبہ: ۴۰)

بے شک اللہ پاک متقی لوگوں ہی سے محبت کرتا ہے۔

انوار الہیہ کے مشتاق کے لئے اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے۔ کہ محبوب و مطلوب اپنی توجہ و التفات کے جیتنے کا نسخہ خود تجویز فرما رہا ہے۔ کیا یہی وہ مقام نہیں جس کی خاطر بدر و جنین کے معرکے وجود میں آئے۔ کہ بلا میں اہل بیت اطہار کا خون گرا۔ باپ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی۔ اے بندگان خدا! اگر تم بھی چاہتے ہو کہ محبت الہی کے سوغات تمہارے حصے میں بھی آئیں تو اپنے آپ میں متقی لوگوں کی صفات پیدا کیجئے۔

تقویٰ اور امتیاز

تقویٰ کے اجتماعی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ معاشرہ جو ”مِنَ حَيْثُ الْجَمَاعَةِ“ (پوری جماعت کی حیثیت سے) اپنے آپ کو

کتاب و سنت کے مطابق بنالیتا ہے۔ اقوام عالم میں اس کی شان نزالی اور امتیازی بن جاتی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَشَاءُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ
فَرَسًا نَّافًا (الانفال: ۲۹)

اے اہل ایمان اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امتیاز قائم کر دے گا۔

”امتیاز“ کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس سے ایک معنی قویٰ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تم میں اچھی اور بُری چیزیں امتیاز کرنے کی قوت پیدا فرما دے گا یعنی بصیرت عطا کر دے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقوام میں تمہیں امتیازی شان عطا کر دے۔

تقویٰ سے رزق میں کشادگی

روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ ہر دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے قرآن نے معاش آسودگی بھی اپنی حدوں میں قائم رہنے ہی میں قرار دی۔

ارشاد رب العزت ہے:

”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“

”متقی کے لئے اللہ تنگی سے نکلنے کے سامان مہیا کرے گا اور

اُسے وہاں سے روزی دیتا ہے کہ اُس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔
اسلامی نظام کا مکمل مطالعہ کرنے سے اچھی طرح اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اسلام کیسے ”معاشی خوشحالی“ دیتا ہے۔
اس کے برعکس ”اعراض عن القربات“ سے اقوام و مل کی معاش و معیشت تنگ کر کے رکھ دی جاتی ہے۔ قرآن نے قرعہ معاش تنگی کی وجہ ہی اس نظام سے بناوٹ کو قرار دیا ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا - وَتَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰی.

(ملہ: ۱۲۳)

”جس نے ہمارے یاد سے غفلت برقی اُس کے لئے معیشت تنگ ہو جائے گی اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا ٹھائیں گے“



تشکیل تقویٰ کی بنیادیں

مضبوط ایمان

ایمان کی مضبوطی اور استحکام تعمیر سیرت میں ہر روز نئی آن اور نئی شان پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرب الہی اور اتقانا لازم و ملزوم ہیں تو پھر یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ قرب خداوندی کا پہلا ذریعہ ہی استحکام ایمان ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا کردار اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ ایمان کی کمزوری سیرت و کردار کو کمزور کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جب بھی مرد مومن کو کسی عمل اور جہاد کے لئے تیار ہونے کی دعوت دی "ایمان" کا ذکر ضرور کیا۔ وہ تجارت عظیم جس کو "عذاب الیم" (دردناک عذاب) سے چھٹکارے کا باعث قرار دیا گیا۔ اُس میں بھی سب سے پہلے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہی ذکر کیا گیا:

تَوْبَتُونَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (البقرہ ۱۹۱)

اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کے راستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو۔

عبادت سے کردار کی تعمیر

"تقویٰ" کا ترجمہ اگر عام فہم الفاظ میں کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ اسلامی پیر کیٹر "کا دور مرا نام ہے۔ یاد رہے کہ تعمیر کردار کے لیے قرآن کثرتِ عبادت کا ایک نسخہ بھی تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بے حیائی سے رکنے کے لیے یا صبر کی صفت پیدا کرنے کے لیے نماز کا پڑھنا تجویز کیا گیا۔

انسانی طبائع میں رچ بس جانے والی مذموم حرکتیں کثرتِ زہد ہی سے عاداتِ حسنہ سے بدلتی ہیں۔

پروردگار عالمین ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا إِلَهَكُمْ الْوَاحِدَ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ تَعْبُدُونَ ۝
(البقرہ ۲۰)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

رمضان المبارک کے روزوں کا فلسفہ بھی یہی بیان فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الزَّكَاةُ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ تَعْبُدُونَ
تَعْبُدُونَ ۝ (البقرہ ۱۸۳)

اے اہل ایمان تم پر پہلے لوگوں کی طرح روزے فرض کر دیئے گئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

پیر و مرشد کا وسیلہ

ایمان کی حرارت، محبت کی گرمی اور عشق کی تپش شیخ کامل کی توجہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم بھی تعمیر سیرت، پختگی کردار، تشکیل تقویٰ اور آنکھوں سے غفلت کی پٹیاں دور کرنے کے لیے ”وسیلہ“ ضروری قرار دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا آيَاتِهِ
الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ نَعَلَّكُمْ
ثُلُثَ الْجَزَاءِ (المائدة ۳۵)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہاری نجات ہو۔

آیت میں وسیلہ سے مراد جہاں کتاب و سنت ہے وہاں پیر و مرشد کی توجہ بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اس سے یہی مراد لی ہے۔ (قول جمیل، مراد مستقیم بحوالہ ضیاء القرآن)
ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ شیخ کامل کی توجہ کے اثرات ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

وہ عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ منی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شہبانی سے کیسی دو قدم ہے

غور و فکر

تقویٰ اسلام کی روح ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ اسکی حقانیت لامحالہ ہر اُس ذہن کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جو تعصب کی پٹی اتار کر صحیح خطوط پر غور و فکر کرے۔ قرآن جو ایک الہامی کتاب ہے وہ صرف اپنے قاری کو تلاوت ہی کی دعوت نہیں دیتی بلکہ فکر اور تدبر کرنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور و فکر سے انسانی ضمیر زندہ ہوتا ہے اور حقائق کو تسلیم کرنا سیکھتا ہے۔ جب قلب و جگر اور دل و دماغ کسی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اُس کے تقاضے پورے کرنے پھر مشکل نہیں رہتے۔

تقویٰ جو نیک اسلام کا تقاضا ہے۔ اس لئے اس کی تشکیل بھی غور و فکر کی مہربان منت ہے۔

قرآن کے دعوت فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ کتاب ۲۔ انفس

۳۔ آفاق

کم از کم جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا علم رکھنا تو از حد ضروری ہے۔

تقویٰ کا بلند ترین مقام عرفانِ رب ہے جسے فقر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے
حضرت بابو علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

عَلَّمُونِی بَانِیَجْ یُحْکِمُ فِیْرِی کَا فَرَمَسَ دِلِیَاذِ یُو

خداوندِ کریم اُمّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزار ہا نافرمانیوں سے بچانے جو طریقت کو شریعت سے الگ کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے :

عَلَّی اَکْرَبُ اَدْرِ سِیْرِی تَامَمٌ بِوَلِیِّیَّتِی

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جو بھی طریقہ ہے خواہ وہ کتنا ہی دکھش کیوں نہ ہو نفس کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ نہیں۔

خوفِ خدا

”تقویٰ“ پیدا کرنے کے لیے خوفِ خدا کا ہونا بھی اشد ضروری ہے لیکن خوف کو اتنا نہ بڑھایا جائے کہ امید ختم ہی ہو کر رہ جائے۔ ایک حدیث کے مطابق ایمانِ خوف اور امید کے درمیان درمیان ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور قول ہے کہ :

”اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ جنت میں

صرف ایک ہی شخص داخل کیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ وہ شخص

میں ہی ہوں لیکن اگر یہ اعلان ہو جائے کہ دوزخ میں صرف

ایک ہی آدمی داخل ہوگا تو مجھے اندیشہ ہوگا کہ وہ آدمی کہیں

میں ہی نہ ہوں۔

خوفِ خدا کے لئے آخرت، موت اور قبر کا فکر ضروری ہے۔

ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ مرغ ذبح کرتے ہوئے رو رہا تھا اور ساتھ

ہی یہ کہہ رہا تھا کہ بے زبان اور غیر مکلف چیز مرتے ہوئے اگر اتنی تکلیف میں مبتلا ہے تو گناہ گار انسانوں کا کیا حال ہوگا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک روایت

ہے کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ

خوفِ الہی سے کبھی گھر سے باہر آتے اور کبھی اندر جاتے۔ جب بارش ختم

ہو جاتی تو آپ مسرور ہو جاتے۔

فطرتِ انسانی میں یہ بات داخل ہے جب اُسے کسی بات کا

خوف ہو تو عمل کی قوت اس میں تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ البتہ خوف

کی نوعیتیں بدلتی رہتی ہیں۔

اسلام بھی اپنے مانتے والوں کو ایک غائب ہستی کی باز پرس

سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس خوف کا اثر یہ ہے کہ کسی

پریس یا محتسب کی غیر موجودگی میں بھی انسان ایسا کام کرنے

سے رک جاتا ہے جس سے اس کے رب کی نافرمانی ہوتی ہو اور

خلقِ خدا کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

خوف آخرت کی ایک دلچسپ حکایت

ایک بزرگ نے ایک دوستے ہوتے لڑکے سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا خوف کا سبب کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ کتاب حکیم میں ارشاد رب العزت ہے :

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْأَعْيَارُ ۝

(البقرة ۲۴)

ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن (گناہ گار) لوگ اور پتھر ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ جب میری ماں آگ جلاتی ہے تو چمچے میں بڑی لکڑیوں کو آگ لگانے کے لیے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہے تاکہ آسانی سے آگ روشن ہو جائے۔ اگر خداوند کریم نے بھی جہنم میں بڑے بڑے نافرمانوں کو آگ میں ڈالا تو مجھ جیسے چھوٹے چھوٹے گناہ گاروں کو بھی نہ ڈال دیا جائے۔

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں :

”اللہ تعالیٰ کو اُن آنسوؤں سے پیار ہے جو خوفِ الہی سے جاری ہوتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ شریف باب الجہاد)

فرمایا کرتی کہ ایک شعر ہے :

ہر کجا آبِ رواں غنچہ بود

ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

جہاں پانی چلتا ہے وہاں باغات ہوتے ہیں اور جہاں آنسو جاری ہے وہاں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خوفِ الہی سے بے پروا اگر زمانہ آئے تو رونے والی شکل ہی بنا لیا کرو۔

خوفِ خدا کے بارے میں قرآن حکیم میں رب ذوالکمال ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

اِمَّا مَوْتَ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِمْ وَنَهَى النَّفْسَ
عَنِ الْمَوْتِ فَآتَتْ الْجَنَّةَ حَيًّا مَسْكُونًا ۝

(الشُّرُط ۲۰-۲۱)

جس نے اپنے رب کے سامنے ماضی کا خوف رکھا اور اپنے آپ کو خواہشات سے باز رکھا۔ اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

دعا

اسلامی اور روحانی زندگی میں طلب اور جستجو کا ایک خاص مقام ہے۔ ہدایت اور گمراہی ہر دوسن جانب اللہ ہی ہوتے ہیں۔ مردِ مومن کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت خدا کی چوکھٹ پر پڑا رہے۔ اُس سے سوال کرتا

رہے۔ اُسی داتا کی عطائے رنگ آلود دل پاک ہوتے ہیں۔ مخلوق کو خالق کا قرب مقصود حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عبادت سے ”تقویٰ“ کی تشکیل ہوتی ہے اور دعلکے باسے میں رؤف رحیم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الْتَدْعَاہُ الْإِحْسَادُ (رواہ ابوداؤد)

دُعا ہی عبادت ہے

ایک حدیث کا مضمون یہ بھی ہے کہ

”دُعا عبادت کا مغز ہے“

آقا کے ان دو اقوال سے پتہ چلا کہ دعائیں اگر بحرِ دنیا زندگی شامل ہر اور دماغِ ریاد نمود سے اجتناب کر کے ربِّ ذوالجلال کو پکارے تو اس کی تاثیر عبادت عامہ سے زیادہ ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تشکیلِ تقویٰ کے لیے صدقِ طلب کا ہر ضروری چیزِ رشد و ہدایت کے نور کے حصول کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہیے اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعا کروانی چاہیے اس لئے کہ یہ حقیقت ہے کہ
سہنگا و دلی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی بہزاروں کی قسمت دیر دیکھی

استقامت

استقامت سے مراد لزومِ طاعت ہے بعض علماء نے کہا۔ کہ

ماوند تعالیٰ کو رضا کے مطابق اپنے سلسلے امور کا نظام درست رکھنا استقامت کہلاتا ہے۔ ایمان کے بعد استقامت کی اہمیت کا اندازہ خبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے، آقا و مولا نے ارشاد فرمایا:

كُنْ : آمَنْتُ بِاللّٰهِ : ثُمَّ اسْتَقِرَّ

کہہ کہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر استقامت اختیار کر

صرفیہ کا مسک ہے کہ استقامت اور استقلال کرامت سے بھی زیادہ اہم شے ہے۔ اہل ایمان کے اسی وصف کو قرآن مجید نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَانُوا يُرَتِّبُونَ شُرَكَائِهِمْ هُمْ أَفْوَاحًا لَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْذُلُونَ (الاحقاف: ۱۳)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ ٹھگتے۔

استقامت کا آسان تر مفہوم ثابت قدمی کا ہے۔ تقویٰ کا تعلق چونکہ اجتنابِ معاصی اور علیتِ اوامر سے ہے، اس لئے حصولِ علم کے بعد تقویٰ کے ثمرات دیکھنے کے لیے صبر اور ثبات کا ہونا اس قدر ضروری ہے:



تقویٰ کے تقاضے

اس عنوان پر اگر سیر حاصل بحث کی جائے تو طوالت کا خطرہ ہے اس لیے کہ تقویٰ ایک ایسی حالت اصطلاح ہے جس کے تقاضوں اور مفہوم کو کما حقہ سمجھنے کے لیے پورے قرآن مجید اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریکارڈ تجارمین کے سلسلے میں پیش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کسی ایک کتاب یا نشست میں پیش کرنا ناممکن ہے تاہم چند اہمیت کے حامل عنوانات پر مبنی کا تعلق تقویٰ سے ہے، اجمالی بحث کی جاتی ہے

شُرک سے اجتناب

تقویٰ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ انبیاء کا پہلا درس ہی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔

شرک کے بارے میں قرآنی رویتوں کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱. شرک: اقابل معانی جرم ہے۔ (النساء: ۴۸)
۲. شرک کرنے سے پہلے کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ (الانعام: ۹۱)
۳. شرک سے آدمی بزدل ہوتا ہے اور شرک کا انجام جہنم ہے۔ (آل عمران: ۵۵)

۱. شرک جہالت ہے۔ (الاعراف: ۱۳۸)
۲. شرک ظلم عظیم ہے۔ (نمل: ۱۳)
۳. مشرک خواہشات نفس کے غلام ہوتے ہیں۔ (النجم: ۲۳)
۴. بدترین مخلوق مشرک ہیں۔ (البینہ: ۶۱)

نظام عبادت کا قیام

اصلاح مقائد کے بعد عملی زندگی کے میدان میں جس چیز کی اولین ضرورت ہے۔ وہ نظام عبادت کا قیام ہے۔ تقویٰ کے تقاضوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تخلیق انسانیت کی علت معلوم کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الدّٰوٰیۃ: ۲۳)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لیے

عبادت کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ اس میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جس کے کرنے اور باز آ جانے سے رضائے ربی کا پروانہ ملتا ہو لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلامی نظام عبادت کی بنیادیں ہیں ان میں سے بھی نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روز محشر اولین پرستش اسی کے بارے میں ہوگی۔

روز محشر کہ جان گماز برد

اولین پرستش نماز بود

عبادت کی اصل خدا کا ذکر

اللہ کا ذکر دلوں کو صاف کرتا ہے۔ بد اعمالیوں اور بد عقیدہ گروں سے

نجات دلاتا ہے۔ سبے حیائی اور غاشی سے منع کرتا ہے۔ انسانی کردار کو نکھارتا ہے۔ مزاج میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ سیرت میں حسن لاتا ہے۔ طبیعت کو استغنا بخشتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کثرت ذکر سے انسان قرب الہی کی منزلوں کا راہی بن جاتا ہے۔

ذکر اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد سینے :

ذَلِكُمْ كُرُوا لِّلّٰهِ اَکْثَرُ ۝ (العنکبوت ۴۵)

اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ہے

ذکر کیا ہے ؟ ہر وقت اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں لگائے رکھنا۔ تصور میں اس حاکم مطلق کو یاد کرنا۔ احکام الہی پر کاربند رہنا قرآنی تعلیمات کا پرچار کرنا یہ سبھی ذکر اللہ کی اقسام ہیں۔

حاکمیت خداوندی پر اگر مکمل یقین نہ ہو اور ہر شخص میں رضائے الہی کا جو ہر شامل نہ ہو تو مقصود عبادت اور تعلقانے زیست پرانہیں ہوتا۔

تقویٰ اور ذکرِ آخرت

ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھنے والے لوگ ہی ہر میدان میں کامیاب ہیں۔ سے ہمکنار ہوتے ہیں انسان کا انجام نانا نہیں بلکہ فنا کے بعد ایسی بقا ہے جس میں دنیا میں کیے جانے والے ہر عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ننگہ دار فرصت کو عالم و مے است

دم پیش عالم ہر از عالمے است

آخرت کی فکر کر کے اپنے اعمال و افعال کا محاسبہ کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا دار کیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَتَسْتَظِلُّوْا نَفْسُکُمْ
تَاَقَدْتُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اللّٰهُ ۝ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المعش ۱۸)

ترجمہ : اے ایمان والا ! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اُس نے کل کسے اپنے آگے کیا بیجا ہے اللہ سے ڈرو وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

بس آئیے کہ یہ میں آخرت کی زندگی کو کل مے تعبیر کیا گیا ہے گویا دنیا کی پوری زندگی ”آج“ ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو کل کی نکریں اپنی چند روزہ زندگی کو اعمال صالحہ سے مزین کر رہے ہیں۔

تقویٰ اور اصلاح معاشرہ

کون نہیں جانتا کہ انفرادی زندگی کے اثرات اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ تقویٰ جس کا تعلق آخر چر مجموعی طور پر فرد ہی سے ہے سیکس اجتماعی اصلاح بھی اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جبکہ اسلامک سوسائٹی سے متعلق ہر شخص متقی ہو۔

تقویٰ آخر ایک طرف انفرادی کردار کی تعمیر کرتا ہے تو دوسری طرف اجتماعی کردار کی تشکیل یعنی اصلاح معاشرہ کی راہیں بھی ہموار کرتا ہے۔

دنیا میں جتنی آخرت اور مروت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے کسی اور نظام کے پیروکاروں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح بین المسلمین (مسلمانوں کی اصلاح) کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا ہے

إِنَّمَا اللَّهُ مَوْلَاُ الْمُؤْمِنِينَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخُوَيْكُمْ

وَأَقْسُوا إِلَيْنَا أَفْئِدَتَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (الحجرات ۱۱)

ترجمہ: مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں میں اصلاح کرو۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تقویٰ کے اس تقاضے یعنی مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے کہ:

”حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو مومنوں کو باہمی

رحم دلی، محبت اور ارتباط میں ایک بدن کی مثال دیکھے

گاکہ جسم کا اگر ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے

تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے؟

اس قسم کا ایک اور مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو

چھوڑتا ہے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے۔ ”تقویٰ یہی ہے“ سینے کی طرف

میں مرتبہ اشارہ فرمایا۔ مزید ارشاد فرمایا۔ انسان کے لیے یہی شرکافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

تقویٰ اور اتحادِ ملت

کسی قوم کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت یہ ہوتی ہے کہ اس کی صفوں میں مکمل اتفاق و اتحاد ہو۔ افتراق و انتشار سے اسے نفرت ہو۔ یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس سے قومی زندگی کو بقا حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے ملی عزت اور وقار پائندہ و تابندہ رہتے ہیں بخلاف اس کے تشمت و افتراق سے حیات ملی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور قومیں تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ایک مقام پر جہاں تقویٰ کا ذکر کیا ساتھ ہی اتحاد باہمی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فوائد سے آگاہ فرمایا اور بے اتفاقی کو جہنم کا گڑھا قرار دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ

وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ

أَعْدَاءً قَالَتْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ

بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

قَتَلَ الْمُشْرِكِينَ فَأَنفَذَكُمْ فِيهَا كَذَابًا
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۵

والقرآن سورہ آل عمران آیت ۱۰۱-۱۰۳

”اے ایمان والو! اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہرو منگو مسلمان ہی ہو کر۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا کی اور تم اُس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔ تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے پس اُس نے اس سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لیے اپنی آیتیں بھیجتا ہے۔“

ہر وہ قوم جو اپنے مقصدِ حیات سے منحرف ہو کر اصولوں کو ترک کر کے جزئیات و فروعات میں الجھنے کی کوشش کرتی ہے اُسکے ہاں بگاڑ کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے اور جب کوئی ملت تفرقہ کا شکار ہو جائے تو اس کی اصلاح و تعمیر کا ہر امکان معدوم ہو جاتا ہے۔

مسلمان کئی بار اس الہامی اصول کے نتائج و عواقب دیکھ چکے ہیں چودہ سو سال کی تاریخ میں کئی بار ایسے ہوا کہ لوگ باہمی عداوتوں کا شکار ہوئے رائے کے اختلاف سے بڑھتے بڑھتے پہلے منکتاب خیال بنے پھر فرقے بنے اور پھر اللہ کی انتقامی کاروائی کے شکار ہوئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس

دور میں کسی کو بندہ نہیں بنایا گیا۔ آسمان سے کوئی چنگھاڑ یا چیخ نازل نہیں ہوئی، مردوں کی بارش نہیں کی گئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ قانونِ فطرت بدلی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی شفقت اور رحمت ہے جس کے زیر سایہ مسلمانوں پر اس قسم کا عذاب نازل نہیں ہو سکتا ورنہ کسی نہ کسی صورت میں ان کو بھی جھنجھوڑا گیا۔

غلبہ، استیلا، خلافت اور تسکین فی الارض کی نعمتیں ان سے پسینی گئیں۔ غلامی کے عذاب میں انہیں گرفتار کیا گیا اور آج بھی کتنے ہی مسلمان عملی طور پر یا نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے غلامی کی سسکیاں بھر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑا عذاب بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ دنیا میں غلامی سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور رذوائی ہو سکتی ہے۔

تفرقہ اور اختلاف کے جرمِ عظیم پر ذرا خالق کائنات کی ناراضگی کا اندازہ کیجئے :

وَإِنْ هَذَا صُلْحٌ آمَنَّا بِهِ آمَنَّا بِهِ
وَإِنَّا رَبُّكُمْ فَأَقْبُولُ ۝ فَتَقَطُّعُوا أَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَا كُلُّ جُزْءٍ بِمَا نَدِيَهُمْ
فَرَحُونَ ۝ فَذَرُهُمْ فِي عَسَرَتِهِمْ
حَتَّىٰ حِينٍ ۝ (سورۃ المؤمنین آیت ۵۴-۵۶)

”یہ تمہارا دین تو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس قوی اختیار کیجئے وہ جنہوں نے دین میں مختلف

طریقے بنائیے ہر ایک اپنے ہی طریقے پر خوش ہے
پس (اسے نبی) چھوڑیئے ان کو ایک مدت تک غفلت
ہی میں پڑے رہیں۔

مسلمانانِ عالم کی فز و فلاح، کامیابی و کامرانی، عزت و وقار، حیات و بقا
اسی میں ہے کہ وہ ایک رہیں۔ فردعی اختلافات کو ترک کر کے ایک دوسرے
کی طرف رفاقت کا ہاتھ بڑھائیں۔

تقویٰ جو اسلامی کردار کا نام ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان
سب و نسب کے امتیاز و مشاکر وحدت کی لڑی میں پڑنے جائیں۔
اور یاد رکھیے کہ اگر مسلمانوں نے اس عظیم جرم سے خلاص حاصل کر لی
ان کی عظمت و اقتدار کے ترانے ارض و سما پر گونجیں گے۔

شعار اللہ کی تعظیم

قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے :

وَمَنْ يُحْضِرْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ
تَشْوِيِّ الْعُكُلِ ۝ (سورۃ الحج آیت ۳۲)
”جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے قریہ دلوں کے
تقویٰ سے ہے۔“

شعائر میں ہر وہ چیز شامل ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی
ذات خود مقرر کر دے یا اس کے انبیاء مقرر کریں یا اس کی نسبت اللہ

کسی صلح بندے سے ہو جائے۔ اس سے تبرکات بزرگانِ دین سے
جست اور ان کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے۔ اس لیے کہ محبت مطلق کسی
شئی سے نہیں ہوتی بلکہ اس لیے کہ اس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ
کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثلاً جبرائیل کو برسر دیا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ پتھر ہے بلکہ اس
لیے کہ اس کا تعلق اور نسبت اللہ کے ساتھ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اسے برسر دیتے رہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر وارد ہوا ہے :
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (البقرہ ۱۵۸)
صفا اور مروہ شعائر اللہ سے ہیں۔
ان پہاڑوں کا شعائر ہونا بھی اولیاء و انبیاء سے نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔

تقویٰ اور احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آدمی تقویٰ کا ہر تقاضا پورا کرتا ہے لیکن احترام رسول کے جذبات
سے اگر اس کا سینہ خالی ہے تو وہ عند اللہ ناجور نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے تمام
اعمال ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ اخروی کامیابی کا اصل راز سرکارِ عالمین
صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی اطاعت ہے۔

مستی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو محبت اور احترام
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے مرشار رکھے۔ محبت محبوب کے

ہر فعل کے احیا کے لیے قربانی چاہتی ہے۔ آج کے حالات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم تحریک مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رکن بن کر احکام الہی کے نفاذ کے لیے کوشش کریں۔ اور زندگی کے ہر میدان میں ضابطہ خداوندی سے رہنمائی حاصل کریں۔

وہ لوگ جو بظاہر کلمہ گو ہیں لیکن ان کے دل محبت رسول اور احترام نبی کے جذبات سے عاری ہیں۔ ان سے بصدادب و احترام گزاریش ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ علمی ذوق پورا کرتے کرتے ایمان سے بھی ہاتھ دھوئے پڑ جائیں۔

لَا تَقْسِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ ذُرِّيَّتِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝

ترجمہ : اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور تقویٰ اختیار کرو
آگے جا کر احترام کے لئے عند الرسول اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کے متعلق فرمایا :

إِنَّ الْبُذِينَ يَخْضَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ
رَسُولِ اللَّهِ أَوَلَمْ تَرَ الْبُذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى ۝ لَسَوْفَ مَغْفِرَةٌ ۝
وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (الحجرات آیت ۱)

ترجمہ : "بلاشبہ وہ لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے ہوئے اپنی آواز کو دھماکے ہیں اصل میں وہی

لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لئے ہیں
ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"

یہ یاد رکھو کہ تقویٰ کی جان اور پرہیزگاری کی روح محبت رسول اور اسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس سے ایک یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے شیخ اور استاد کا احترام کرنا اور ان کے سامنے مودبانہ گفتگو کرنا بھی تقویٰ کا ایک تقاضا ہے۔

تقویٰ اور قیامِ عدل

اسلام ایک عالمگیر تحریک کا نام ہے جس کا مقصد و منشور علم انسانیت میں نیکی کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ تحریک اپنے ہر رکن سے ایک مخصوص کیریئر کا تقاضا کرتی ہے جسے تقویٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقویٰ جہاں انفرادی اور اجتماعی تعمیر و تہذیب کا نام ہے وہاں اس کا ایک گہرا ربط تحریک اسلام کے منشور سے بھی ہے۔ مثلاً قرآن نے جہاں عادات و اطوار اور رسوم و طرق کی اصلاح کو تقویٰ قرار دیا۔ اسلام کے منشور و مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

تعمیر کی ضد تخریب ہے۔ جب تک کوئی قوم قرآنینِ فطرت کی

پابند رہتی ہے اس کی رگوں میں تعمیری خون گردش کرتا رہتا ہے اور جو نہی وہ راہ اعتدال سے ہٹتی ہے۔ اس کی صفوں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے گویا کہ بناؤ قانون عدل کی پابندی میں ہے اور بگاڑ اس صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کا نام ہے۔

مسلمان چونکہ خیر و بھلائی کا نظام دنیا میں رائج کرنا چاہتا ہے انسانیت کو بناؤ کا سبق دینا چاہتا ہے۔ تخریبی جراثیم کا خاتمہ اس کا مدعا ہے غرض کہ مسلمان کا یہی کیریکٹر تقویٰ اُسے قیام عدل کے لیے تیار کرتا ہے۔

وَلَا يَجْعَلْ مَنَّا مَكْرُوهَ شَيْءٍ فَاُولَٰئِكَ
اَللّٰهُ تَعَالٰی اَعَدَّ لَهَا عَذَابًا مُّهِمًّا
لِّتَقْتُلُوْا وَتَقْتُلُوْا اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ۸)

”تہیں کسی قسم کی دشمنی عدم عدل پر نہ اکسائے۔ عدل کیجئے اور اللہ سے ڈریئے اور یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے بلاشبہ وہ تمہارے اعمال سے خیر دار ہے۔“

عدل کے لیے اردو زبان میں لفظ ”انصاف“ استعمال ہوتا ہے اگرچہ معانی اور مطالب کے لحاظ سے ”انصاف“ میں وہ زور نہیں جو ”عدل“ میں ہے۔ اگر عدل کا معنی ”توازن“ کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ عالم رنگ و بو میں پروردگار کے تمام تر امور

عدل ہی کے ساتھ قائم ہیں یعنی عدل ہی وہ قانون ہے جو قیام ہستی ضروری ہے۔ اس مقام پر دائرہ عدل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ مدت، مقدار، نظام شمسی سیاروں کی حرکت موسمی تغیر و تبدل اور انسانیت و تکوین اشیائے عالم تک ہر ایک ہی تعادل و توازن اور مختلف مشائیں ہیں۔

نظم ہو یا سرکشی، اسراف ہو یا تبذیر، فساد ہو یا اعتدال نظام عدل کی ہوئی یہی وہ صورتیں ہیں جن کے عاملین کو قرآن نے کبھی تو شیطان و مافی کتبہ کو پکارا اور کبھی اس سے ملتی جلتی کوئی اور اصطلاح استعمال کی۔ قرآن نے حقیقت عدل کے رموز سے آگاہی کے لیے اکثر مقامات پر فرد فکر کی دعوت بھی دی اور توازن اور تعادل کو مقصود ٹھہرایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تم بغیر ستونوں کے اٹھائے ہوئے آسمان کو دیکھتے ہو جب تم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو کہ جو سے جو اور گندم سے گندم کی پیدا ہوتی ہے تو پھر روزمرہ میں عدل سے انحراف کیوں؟

اَعْدُوْكُمْ اَتَقْتُلُوْا اَقْرَبُ لِّلْقَتْلِ
”عدل کرو عدل ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے“

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مسائل سیاسی ہوں یا معاشی ہماری کامیابی کا راز اسلام کے نظام عدل ہی میں ہے اس لئے کہ یہ نہ تو جو اس خصہ کی تخلیق ہے اور نہ ہی وجدان کی پیداوار بلکہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے یہی وہ ضابطہ حکمت ہے جسے اپنانے سے انسانیت عروج کے نینے

طے کرتی ہے۔

اگر آج ہماری عدالتوں میں اسلام جو دین فطرت ہے اس کا قانون عدل لاگو اور قابل عمل نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہمارے قانون دانوں کے نزدیک وہ قانون اس قابل نہیں کہ ان کے مسائل حل کر سکے اگر ایسے نہیں تو نفاذ میں اتنی تاخیر کا مطلب کیا ہے؟

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے ایک گہری سازش کی کہ مسلمانوں میں کچھ آدمی ایسے تیار کیے جنہوں نے قوم و ملت میں یہ تبلیغ شروع کر دی کہ دین صرف چند عبادات کا نام ہے حالانکہ اسلام ضابطہ مکانات ہے جو زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بقول شاعر :

خدا جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وفا شعاران اسلام !

اگر آپ امن و سکون چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی خواہش زندگی کی راحت و آرام ہے۔ تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ اسلام کے نظام عدل کی طرف پکیں اور اس طرح تمہاری دعوت سے اہل جہاں جو جہالت کی تاریکیوں میں پھنسے پھر رہے ہیں اور اپنی شیطانوں اور غفلت شعاریوں سے معاشرہ کو جہنم زار بنا رہا ہے۔ اسلام کے اعتدالی منشور سے آگاہی حاصل کریں۔

تقویٰ اور رسوم محض

کون نہیں جانتا کہ آج ہمارے معاشرے میں محض نظیروی بنیادوں پر جمی ایسی رسوم کا آغاز ہو چکا ہے جو قیام دین کی راہ میں سب سے بڑی اور دشمن ہیں۔ روایتی منقروں کی پرستش کی جاتی ہے۔ پہلے ایک عقیدہ گھڑا گیا ہے پھر اس کی پرستش متواتر سے اس میں شان تقدیس پیدا کی جاتی ہے۔ بعض ایسی رسمیں ہیں جن میں سوائے ضیاع دولت کے اور کچھ نہیں ملتا۔ قرآن ان سب باتوں کی تردید کرتا ہے بلکہ ان کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

عربوں کا دستور تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے اور گھروں میں آنے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھلی دیواروں سے سوراخ کر کے داخل ہوتے۔ چونکہ یہ رسم محض تھی اس لئے قرآن نے اسے ایک لایینی حرکت قرار دیتے ہوئے اس کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔ — ارشادِ ربّی ہے :

يَسَّ السَّبِيحَ اَنْ تَاْتُوا السَّبِيحَ مِنْ غُلُوْرٍ
وَلَكِنَّ السَّبِيحَ يَنْهَى عَنْ تَاْتُوا السَّبِيحَ مِنْ
اَسْتَوَابِمْ اَمْ وَالتَّوَابِمْ كَعَلَّكُمْ تَعْلَبُوتَ ۝

دوسرہ البقرہ آیت ۱۶۹

”یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو بلکہ

یہی تو تقویٰ اختیار کرنا ہے گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا
کرد اور اللہ سے ڈرد تاکہ فلاح پاؤں

ہمارے ہاں بچوں کی پیدائش پر، شادیوں کے رچانے میں اور ماتم کے
موقع پر بعض نہیں بلکہ بے شمار ایسی رسمیں منائی جاتی ہیں جن کا تعلق اصل
میں یا تو ہندوؤں سے ہے یا انگریزوں سے۔ قرآنی تعلیمات کو دیکھ کر ہمیں
عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور ان مذہبوں و رسوم و اطوار کو غیرت مذہبی کو کام
میں لاتے ہوئے صرف خود ہی ترک نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دوسرے حضرات
جن کی سرشت میں ایسی عادات داخل ہیں انہیں بھی مجبور کیا جائے کہ
تقلید غیر سے باز رہیں اور شیطان کو خوش نہ کریں۔

البتہ بعض دیہاتوں میں بعض لوگوں کو دینی اصولوں کا پابند دیکھ کر
نہایت حیرت محسوس ہوتی ہے اور ان کے جذبہ دین کو داد دینا پڑتی
ہے۔ فی الحقیقت اسلام ایک سادہ اور قابل عمل دین ہے۔ یہ عین
فطرت کے مطابق ہے۔ اسے کسی رسم کے پیوند کی ضرورت نہیں۔
رسوم پرست لوگ خود بھی ان سے تنگ ہیں۔ لیکن ان کے ضمیر کی آواز
جب جذبہ نموش کی نذر ہو جاتی ہے تو وہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو ان کا
من اجازت دیتا ہے۔

غیر قوم کی تقلید تقویٰ کے منافی ہے

مسلمان کسی قوم یا ملک کا نام نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی وہ جماعت

ہے۔ جس کا منشور نیکی کو غالب کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے
اس کا اپنا ایک پروگرام ہے۔ اس کے پاس زندگی گزارنے کے
پنے اصول ہیں۔ ہر وہ آدمی جو اس کے اصولوں کو کسی بھی میدان میں ٹھکراتا
ہے۔ تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ اس کے پروگرام سے
تفق نہیں۔ اس کو وہ اصول اچھے نہیں لگتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
پیش کئے تھے۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان اصولوں کو نہ اپنایا جائے جو اسلام
سے ٹھکراتے ہیں۔ ان باتوں پر کان نہ دھرائے جائیں جو غیر اقوام
نظام مصطفیٰؐ کو ختم کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید کی پیروی
اپنے پاؤں میں نہ ڈالی جائیں اور غلامی کے طوقوں سے اپنی سگودنوں کو
بچایا جائے۔

اگر ایک آدمی دین کو سیاسی لحاظ سے تھما کر کسی یعنی پاپائیت کا
نام بھی دے۔ مسجد کو بھولے سے بھی نہ آئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنتوں کا مذاق بھی اڑائے اور پھر اپنے آپ کو ایک مسلمان سمجھے اور
اپنی حرکات کو قابل ثبات خیال کرے تو یہ مسئلہ ناقابل فہم ہے۔

نجات اگر ہے تو صرف اس میں کہ اتھارتی صرف اللہ اور اس
کے رسول کی مانی جائے۔ ہمارا قرآن جب ہر اس معاملہ میں ہماری رہنمائی
کرتا ہے جس میں ہماری بہتری ہے۔ تو پھر اس نظام کے مقابلہ میں
ہمارے دل نسانے کیوں تراشتے ہیں۔ ہماری جبینیں شیطانوں کے سامنے

کیوں جھکتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ خود اپنی آذری کا شیلہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ سب آپس نہ بننا تو
دیکھ نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

تقدیر کے مخاضی کا فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ، مفاجات

آج بھلائی کی بھیک کچے لیے ہم کھشکول لیے کافروں اور منافقوں کے
درد ازلوں پر پھرتے ہیں۔ آج ہماری اطاعت کا معیار لا دین عنامہ کی خوشامد
بن چکا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُطِيعُوا الْأَكْثَرِينَ وَالْأَسْفَلِينَ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (سورہ احزاب ۱۱۱)

"مے نبی اللہ سے ڈر اور نہ اطاعت کرو کافروں اور منافقوں کی
تحقیق اللہ علم و حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں جاہلیت کی رسوم پر ضرب کاری لگائی گئی ہے اور منافقین
اور کفار کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کرے ہم انگریز کی اطاعت سے خلاصی حاصل کر لیں
ورنہ معاشی ہو یا میشت، سماج ہو یا سیاست، فوج ہو یا کوئی
اور ادارہ ہمارا ہر فعل غیر انوار کی تعلید میں ہے۔

تقویٰ اور وعدے کی پابندی

وعدے کی نوعیت بھی ہو یا کاروباری، عہد اللہ سے کیا جائے یا مخلوق
سے بہر صورت اس کی پابندی کرنا تقویٰ کے تقاضوں میں سے ہے۔

قرآن نے ایک جگہ یہود کے بارے میں ان کی عہد شکنی کی
بدولت ہی کہا :

الَّذِينَ عَاهَدُوا مِّنكُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ

عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَوْقِعٍ وَهُمْ لَا يَسْتَفِهُونَ ۝

(سورہ النحل آیت ۵۶)

ترجمہ : "وہ لوگ جن سے تو نے عہد کیا۔ ہر مرتبہ اس کو توڑتے ہیں اور
حد اسے ڈرتے نہیں۔"

سورہ قمر میں ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے
بھی وعدہ پورا کرنے کو کہا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے :

فَاْتِئْتُوا إِلَيْنَا بِعَهْدِكُمْ إِلَىٰ مَدَنِيٍّ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ اللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (سورہ قمر آیت ۴)

ترجمہ : "ان سے وعدوں کی مدت کے مطابق پورا کرو اس لئے کہ اللہ
متقین سے محبت کرتا ہے۔"

سورہ مائدہ میں ارشاد رہتی ہے "اے مومنو! آپسے بندھے ہوئے

وعدوں کو پورا کرو۔

ایک مقام پر آتا ہے "إِتَّاعِمِدْ كَمَا تَكُنْ مَسْئُومًا" یعنی وعدے کے بارے میں پرسش ہوگی۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وعدے کی پابندی کی اور ساتھ ہی اپنے پیروکاروں کو ایضاً عہد کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ "لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ" "اس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں"

ایک موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ بدر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ قحطِ تعداد کی وجہ سے ایک ایک آدمی کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ دو صحابی حضرت حذیفہ اور حضرت حسیل جنہوں نے مشرکین سے عدم شرکت کا وعدہ کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری داستان سنائی تو آپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا۔ اور فرمایا ہم وعدے کی پابندی کریں گے۔

"عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے اور

متقین کا شعار ہے" (ضیاء القرآن ص ۳۳)

وعدہ کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ کیا جانتے والا وعدہ کہیں اسلامی شریعت کی روح کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ زبان سے ہی ایسے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں۔ جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسلام نے اس بات سے بھی منع کیا ہے۔

ایسی باتیں نہ کیا کرو جو تم کو نہیں سکتے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کے ہاں بڑے نقص کی بات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ (الصافات ۲)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تقویٰ اور اصول تعاون

اسلام کا مقصد نیکی اور بھلائی کو برائیوں پر غالب کرنا ہے۔ اس لیے یہ اپنے ہر ماننے والے کو اس بات پر اکساتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں ایک زربین اصول قائم کیا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

(سورہ المائدہ آیت ۲)

ترجمہ :- نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم مل کر نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی انتہائی گروہ کی کامیابی یا ناکامیابی

کا دارو مدار تعاون اور عدم تعاون پر ہی ہوتا ہے۔ اگر نیک کام میں تعاون نہ کیا جائے تو جن مقاصد کے لیے کوئی تحریک چلائی جاتی ہے ان کا پورا ہونا کافی حد تک ناممکن ہوتا ہے۔ مسلمان جن کی زندگی کے منشور میں ہی یہ بات شامل ہے کہ دنیا سے فاسد نظام کو ختم کیا جائے اور نظام مصطفیٰ کو رائج کر کے پستی ہوئی انسانیت کو نجات دلائی جائے ان کے کچھ افراد ان باتوں میں مدد کرنی شروع کر دیں جن سے باطل کے اصولوں کو تقویت پہنچتی ہو تو نظام حق کے لیے چلائی گئی تحریک کو نقصان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد پر یہ قید لگا دی ہے کہ مدد کے ساتھ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اُٹھنے چاہئیں اگر کوئی شخص اشرار اور عدوان کو پھیلانے کی سعی میں مصروف ہوتا ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

رانے یا وٹ ایک مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک مقدس امانت ہے۔ اس کا صحیح استعمال ”تعاون علی البر والیقینی“ میں شامل ہے اور اس کا غلط استعمال ”تعاون علی الاشور“ کے ضمن میں آتا ہے۔

انجر کوئی شخص اپنے حق رانے کو کسی باطل نظام کی تائید میں استعمال کرتا ہے تو وہ ”إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ“ کے زمرے میں آتا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے مقابلہ میں ہر اختراعی نظام باطل ہے خواہ

وہ جمہوریت ہو یا سوشلزم، کمیونزم ہو یا لادینیت۔ زندگی کے کسی شعبہ میں اسلام کسی پیوند کا محتاج نہیں بلکہ اگر کوئی شخص جمہوریت یا سوشلزم کا پیوند لگاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے باطل نظریات پر اسلام کا لیبل لگا کر مسلمانوں کی آنکھوں پر پاتھ رکھتا ہے۔ سور کی گردن پر اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیر دی جائے تو وہ کبھی حلال نہیں ہوتا۔

غیبت پچنا بھی تقویٰ کا تقاضا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور رسولی

بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا اپنے بھائی کو اس

طرح یاد کرنا جو اُسے ناگوار گذرے۔ آپ سے کہا گیا کہ اگر

وہ بات اُس میں موجود ہو تو آپ نے جواب دیا۔ اگر وہ

اُس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی۔ اگر نہیں تو تم نے

بیچان باندھا۔“

حدیث مذکورہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے غیبت کی تشریحوں کی جا سکتی

ہے۔ کہ کسی مسلمان کی غیر حاضری میں اُس کی کوئی ایسی بات کرنا جو اُسے ناگوار

گذرے وہ غیبت کہلاتی ہے۔ وہ بُرائی جو بیان کی گئی ہو برابر ہے کہ

اُس میں موجود ہو یا نہ ہو۔

قرآن نے غیبت کی مذمت کی اور اس سے بچنے کو تقویٰ کا
تفصیلاً قرار دیا :

وَلَا يَغْتَابَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْخَبْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ فَهُمْ
وَمَا يَحْكُمُوا بِهِ الْعَذَابُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا ﴿۱۲﴾
ترجمہ — تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم
میں سے کوئی ایک یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے
بھائی کا گوشت کھائے۔ یقیناً تمہیں یہ ناپسند ہے۔ اور اللہ
سے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر بھی غیبت کی مذمت ایک
دفعہ اسی صورت میں کی۔ جب کہ معز بن مالک اسلمی کو زمانہ کے جوہم میں
رجم کی سزا دی گئی۔ تو دو صحابیوں نے ان پر تنقید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے سن لیا۔ کچھ دُور راستے میں آپ کی نظر ایک گدھے کی لاش پر پڑی۔
آپ نے ان صحابیوں کو بلایا۔ اور فرمایا کہ اس کو کھانا شروع کرو۔ انہوں
نے جواب دیا۔ اسے کون کھائے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ابھی جو تم اپنے
مردہ بھائی پر حرف زنی کر رہے تھے۔ وہ اس کے کھانے سے زیادہ بُری تھی۔



حرمت سود اور تقویٰ

معاشی بدعالی معاشرتی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ غربت اور
افلاس صبر اور استقامت کی دولت کے بغیر اخلاقی بیماریوں کی بنیاد
بن جاتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کے ہٹ جانے کی وجہ سے تعمیر و ترقی کے میدان
میں جمود طاری ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشی نظام کی حیثیت سے
ایسی تمام بنیادی کمزوریوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ جن سے جدت کی
صحت بگڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

سود جس کے لیے عربی زبان میں لفظ ”ربا“ استعمال ہوتا ہے۔
اسلام کی نظر میں ایسی مذموم حرکت اور قبیح بیماری ہے۔ جس کا
ارتکاب کرنے والوں کے حق میں قرآن حکیم کی یہ وعید ہے۔

وَأَنْتُمْ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾
اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

امام ابو حنیفہ اس آیت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید
کی سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں
آگ کی وعید ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو کافر تو نہیں لیکن اللہ کی حرام ٹھہرائی
ہوئی چیزیں حلال جانتے ہیں۔

احکام الہی سے بے رغبتی اور بے اعتنائی برتنا چونکہ ”تقویٰ“ کے

مٹائی ہے۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ شہیدانِ اسلام کے لیے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ سود جیسی قبیح حرکت سے بچیں۔

فرمانِ حسد اوندی ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا الْبَوَّاسَاتِ
مُضَعِفَةً ۚ وَاللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَتْلَحَّوْنَ ۝

(ال عمران ۱۲۰)

”اے ایمان والو! سود بڑھا کر نہ کھاؤ۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تمہاری اصلاح ہو۔“

نوٹ : علمائے کرام نے آیت کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا ہے ترجمہ دو گنا سے کیا جائے یا ”خوب بڑھانے“ سے کیا جائے بہر صورت ہر قسم کے سود کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

سود کی تعریف

مفردات میں ہے کہ ربا کا معنی زیادتی یا بڑھوتری کے ہوتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ مخصوص زیادتی ہے جو کسی رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں دیر ہو جانے پر مقرض قرض خواہ کو ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اجناس میں تفاضل بھی ”ربا“ ہی کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے :

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر

والشعير بالشعير والتمر بالتمر
والبلع بالبلع مثلاً بمثل بيد بيد فمن
زاد واستزاد فقد اربى الاخذ والسعطي فيه
سواء (رواہ البخاری)

سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نلک کے بدلے نلک بغیر کی بیشی کے اگر ہاتھوں ناتھ یعنی نقد ہوں تو جائز و نہ سود ہوگا اور اس کا لینے دینے والا برابر ہیں۔

صورت مذکور میں بڑھوتری ”ربا“ اسی لینے بنتی ہے کہ یہاں جنس اور قدر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور اگر جنس اور قدر میں یکسانیت نہ ہو تو پھر زیادہ لینا یا دینا سود نہیں۔ اگر کوئی آدمی لیتے وقت گندم دیتا ہے اور دیتے وقت جو دینا چاہتا ہے۔ تو اس صورت میں زیادہ دینا یا لینا جائز ہوگا۔ اس لیے جنسوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ دینی صورت ادھار بھی جائز ہوگا۔ قدر میں عدم یکسانیت سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک چیز اگر وزن کر کے لی اور دی جاتی ہے تو دوسری چیز اس پر لی اور دی جاتی ہے۔

سود کے مفہوم کو ”احکام القرآن“ کی یہ عبارت بڑی خوبصورتی سے ادا کرتی ہے :

الربا في اللغة الزيادة والمراد في المديّة

ہونے والی بیماریوں کی جڑ ہے۔ اس لیے کہ سود لینے والا امیر سے امیر تر بننے کے لیے مقروض کو سود در سود کے ایسے جال میں پھنساتا ہے کہ وہ غربت اور افلاس کے برجھتے دسب کر رہ جاتا ہے۔ تفکر اور تدبیر جن کا حصول سکون اور چین کے بغیر ممکن ہی نہیں اور تعمیر و تظہیر اور علم و اصلاح کا پہلا ذریعہ بھی یہی ہیں مفلسی اور غربت کی نذر ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بھل جیسی مذموم عادت سود کا دوسرا نتیجہ ہے۔ قرض دینے والا آدمی جو سود کا مطالبہ کرتا ہے ہمدردی اور قربانی کے جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر سناشرہ اور اس کے افراد کا سکون چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔

۳۔ طبع جو سود کی درحقیقت علت ہے۔ اسی کی وجہ سے سودی کاروبار چلتے ہیں۔ اگر طبع کا مادہ انسان میں نہ رہے تو قناعت پیدا ہوگی۔ جب قناعت ہوگی تو دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے اور ہمدردی کے جذبات اگر کسی سینے میں ہوں تو بلا حمت ایسا معاوضہ لینے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگا۔

۴۔ قرآن کا یہ فیصلہ کہ بے شک بظاہر تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ سود غری سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں سود سے مال میں برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ہر وہ کاروبار جو سود پر چلتا ہو وہ انسانیت کے

سکل زیادہ لایقابلہما
ہر وہ بڑھوتری سود ہے جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو۔

عرب میں سود کی مزوجہ شکلیں

عرب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سود کی مزوجہ شکلوں پر صاحب ضیاء القرآن نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وہ نقد ادا نہ کر سکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی اور اگر وہ اس میعاد میں بھی قیمت ادا نہ کر سکتا۔ تو میعاد بھی لمبی کر دی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزر گئے کے بعد اگر پیسے میسر نہ آئے تو وہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا تو دس کی بجائے بارہ روپے ادا کرنے کا وعدہ کرتا۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سود پیسہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال گزرنے کے بعد دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ ان دونوں شکلوں کو ”ربا“ کہا جاتا۔“ (ضیاء القرآن جلد اول)

سود کی مضر تین

۱۔ ظلم جو دنیا کے ہر قانون میں ناقابل معافی جرم ہے۔ سود سے پیدا

لئے مفید نہیں ہوتا۔

۵۔ سودی کاروبار کے معاشی نقصان کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں جبکہ اس مہلک مرض نے پوری دنیا کو اپنی پسیٹ میں لے لیا ہے اتنا مفید ثابت نہیں ہوا جتنا کہ بعض ریاستوں میں تازہ نئی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر سود کے کاروبار کامیاب رہا ہو۔

۶۔ خود غرضی بھی سود خوری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے اور کون نہیں جانتا کہ خود غرض انسان معاشرہ کی پیشانی پر ایک ناسور ہوتا ہے۔

تقویٰ کا تقاضا۔ بدکاری سے اجتناب

بیاریوں کے جاشیم کو مارنا عین مصلحت ہوتا ہے۔ قوم لوط کی اخلاقی پستی جب حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو صغیر ہستی سے مشا دیاجی مہربان سمجھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا گیا۔ قوم لوط خوشیاں مناتی ہوئی آئی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر لیا۔ وہ کیا جانتے تھے کہ خوبصورتی کے روپ میں ان کی تباہی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ کتنی ہی بد نصیب قوم تھی۔ کہ اپنی بربادی پر تہقے لگا کر وقت کے نبی سے سوال و جواب کر رہی تھی۔ خدا کی کارسازیاں بھی عجیب ہیں۔ چاہے تو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر۔ گھر سے بے گھر کر کے۔ بازار مصر میں بیچ کر زندان کی سختیاں دے کر اُس کے عروج کے ذہینے طے کروائے۔ اور چاہے تو قوم لوط کے سامنے حسن رچا کر ان سے تہقے لگا کر واصل جہنم کر دے۔

جب لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ تو لوط علیہ السلام نے بڑے مؤثر انداز میں قوم کو تقدیری کی تلقین کی۔ فرمایا:

قَالَ اِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفُنِي فَلَا تَفْضَحُوْهُ

وَاَقْسُوا لِلّٰهِ دَلٰلًا مِّنْ حَيْثُ وُجِدَ ۝ (المجر ۶۸ ۶۹)

توجہ: "لوط علیہ السلام" نے فرمایا: بے شک یہ میرے یہاں ہیں۔ پس تم میری نفیحت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اور مجھے رسوا نہ کرو۔"

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کی دعوت کو نہ سنا۔ تو وہی لشک کے ان کے عذاب کا باعث بنے۔ اور قوم لوط کو ایک چنگھاڑنے لے لیا۔ اس طرح عذاب الہی کا وعدہ پورا ہوا۔ قوم لوط کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ بدکاری اور بد فعلی کے اڈے جہاں کرفاشی، عریانیت، زنا کاری اور دھوکہ بازی کا درس دیتے تھے۔ ان کے اس قومی نوعیت کے جرم پر رب ذو الجلال نے انہیں زمین میں دھنسا دیا۔

ہلاکت قوم لوط سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور بدکاری اور اس کے مقدمات سے مکمل اجتناب برتنا چاہیے۔



تقویٰ اور اس عمل

اعمال اور مختلف افعال کا حسن انسان کے باطنی ارادے اور حسن نیت کا مرہون بنتا ہے۔ دنیا پر کوئی کام کئی حین اور دیکھ کیوں نہ ہو جب تک ارادہ اور نیت صحیح اور درست نہ ہو وہ کام نامقبول ہوگا۔ اس اعتبار سے تمام نیکیوں اور سارے امور کی بنیاد چونکہ حسن نیت اور خلوص پر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم اسے "تقویٰ" قرار دے کر سارے اعمال کی اساس قرار دیتا ہے اور ہر وہ کام جس کی بنیاد "تقویٰ" پر نہ ہو اسے قابل مذمت سمجھا ہے۔ ان امور کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے "جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔"

ہمارے اس موقف کو مسجد طراز کا واقعہ قوت دیتا ہے: ارشاد ذوالجلال ہے: اَقِمْنَ اَنْفُسَکَ بِنِیَّۃٍ عَلٰی تَقْوٰی مِّنْ اِلٰہِکَ وَ رِضْوَانِ خَیْرِ

اَقْرِضْنَ اَنْفُسَکَ بِنِیَّۃٍ عَلٰی شَفَاجِرِکَ ھَاہُ (توبہ: ۱۰۹)

کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کی رضا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرجے والی کھائی کے کنارے رکھی۔

اور اس مسجد کو عبادت کے لئے حق دار قرار دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔

لَمْ یَسْجُدْ اَنْفُسُکَ عَلٰی التَّقْوٰی اَوْ عَلٰی لَوْنٍ مِّمَّا رَآَتْ اِنَّ تَقْوٰی قَرِیْنٌ

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہی مستحق ہے کہ آپ اس میں جائیں اسی طرح سارے امور کی جان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ قرار دیا سفر زاد راہ کا مسد ہو تو ارشاد باری ہے :

وَنَزَّاهُ فَاِنَّ حَيْكِلَ الزَّوَالِ تَقْوٰی ط

(سفر میں) زاد راہ ہو اور سب سے اچھا تو شدہ "تقویٰ" ہے۔

جسم کی تربیت و زینت کی بات ہو تو پھر "تقویٰ" ہی محمود نظر و عمل دیکھنے کی تلقین فرمائی۔

وَلَيْسَ التَّقْوٰی فَاِلَّا ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعزان)

اور تقویٰ ہی کا لباس سب سے بہتر ہے۔

تقویٰ اور عفو و درگزر

خداوند کریم نے عفو و درگزر کو "تقویٰ" کے نہایت ہی قریب قرار دیا۔

وَ اِنَّ تَقْوٰی اَقْرَبَ لِلتَّقْوٰی

(بقرہ : ۲۲۷)

اگر تم معاف کر دو تو یہ "تقویٰ" سے قریب تر ہے۔

ایک اور آیت میں تصور کرنے والوں کو معاف کر دینے کا اشارہ اس طرح

فرمایا :

وَلَعَفْوٌ اَوْ يَصْفَحُوا اِلَّا يَتَّبِعُونَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ

(نور : ۲۰)

لَعَفْوٌ اَوْ يَصْفَحُوا عَفْوٌ رَّحِيْمٌ

چاہے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے

کہ خدا تم کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

عَفْوٌ اور غُضَب کے وقت ضبط و سکون کے حاملین اور معاف کر دینے والوں کے بابے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَ اِذَا عَاغَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ه (شوری : ۴۰)

اور جس وقت غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں

وہ لوگ جو عفو و درگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران

میں ان کی مغفرت اور ان کے لئے وسیع جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (۱۱)

سورہ شوریٰ میں صبر اور معاف کر دینے کی صفت کو بڑی اہمیت کی بات

قرار دیا گیا۔

وَلَمِّنْ صَبْرٌ وَعَفْوَ ط اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ اَلْاُمُوْر

(شوری : ۴۳)

جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑی بہت کی بات ہے۔

عفو و درگزر کی تفصیلات میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا : وَمَا نَادَى اللّٰهُ رَجُلًا لِّيعْفُوَ اِلَّا عَزًّا درگزر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ

عزت بڑھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں معینین کی جن صفات کے ساتھ تعریف کی ان میں صفات اور درگزر کرنے کی صفت کو بھی گنا۔

وَالْكَافِلِينَ الْغِفْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
غفھے کو پی بننے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترذی شرین کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر بار۔

حضرت ابوسعود صہابیؓ کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو سیٹ رہا تھا، پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو، دیکھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے، ابوسعود! جتنا تم خادم پر کہ قابو رکھتے ہو اس سے زیادہ خدا تم پر قابو رکھتا ہے۔ ابوسعود فرماتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ پھر میں نے کسی غلام کو نہ مارا۔

(سیرت النبیؐ، سلیمان ندوی)

تقویٰ اور سچائی

قرآن حکیم نے صدق اور سچائی کو بھی تقویٰ کی صفات میں گنا۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَقَ بِهِ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

جو سچ لے کر آیا اور اس کو سچا بھی جانا سودی پر ہیز گار ہے۔

صدق اور سچائی کو جہاں خدائی صفت ہونے کا شرف حاصل ہے وہاں انسانی اخلاق کے میدان میں بھی اسے سب سے اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے۔ صبر، حیا، دل اور زبان کی ہم آہنگی کا نام ہے اس لئے اگر سچائی اور صداقت حاصل ہو جائے تو میکبوں کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

اعمال اور اخلاق کی بنیاد سچائی ہے اسی لئے اسلام نے صرف صدق کے اختیار کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو پابند بناتے ہوئے اس کو تقویٰ کا ایک تقاضا قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

(توبہ: ۱۱۹)

اے اہل ایمان! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔
قیامت کے دن بھی صدق ہی کام آئے گا۔

هَذَا يَوْمَ سَيَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (مائدہ: ۱۶)

یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ ہی کام دے گا۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں صدق کی چھ اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ زبان کی سچائی

۲۔ نیت کی سچائی

۳۔ عزم کی سچائی

۴۔ عزم کو ہمیں ہمک پہنچانے کی سچائی۔

۵۔ محل میں سچائی

۶۔ اور دینیہ میں سچائی

صدق کی برکت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ روایت حافظہ ہو جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ مجھ میں چار برکی خصلتیں ہیں، یا رسول اللہ! ایک کہ چھوڑ دینے کی تلقین فرمائیے، تو آپؐ نے فرمایا تھا، جھوٹ بولنا، جھوٹ دینا، تو اللہ تعالیٰ نے ترک جھوٹ اور سچائی اختیار کرنے کی وجہ سے اسے ساری بری خصلتوں سے محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سچ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تقویٰ اور احسان

تقویٰ کا تعلق چھ تکم شمع اور اجتماعی حسن اور جمال کے ساتھ ہے، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیاں تقویٰ میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان تمام اوصاف شمع و اجتماعی اور انعام خیر کے لئے ایک جامع اصطلاح "احسان" کا استعمال کر کے لے تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

وَإِنْ تَحْسَبُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَخِيلٌ

(نساء - ۷۶)

اگر تم کہتی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخلوار ہے ہر قسم کی نیکی خواہ وہ بصورت فعل و عمل مجہا تصور و عقیدہ احسان کے مفہوم میں داخل ہے لیکن قرآن حکیم میں شکر، مصیبت سے نجات دلانا، حقوق کی ادائیگی صدقات اور قرض حسنہ وغیرہ کو احسان قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم و کرم، جہان نوازی، تنگ دست کو مہلت، گردنوں کے پھرنے، صلہ رحمی اچھی گفتگو، ضعیف کی مدد، بھوکے کو کھانا، پیاسے کو پانی پلانا، اور انہماک رسانی سے احتساب کرنے کو "احسان" قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے صحن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ يَحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران ۱۱۴)

اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا :
 اَخْبِرْنِي عَنْ الْاِحْسَانِ
 "یا رسول اللہ! احسان کے بارے میں میں خبردار کیجئے"
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَاكَ تَرَاةُ فَاَنْ تَعْبُدَ تَنْ تَرَاهُ فَتَاذِيْرُكَ
 (مشکوٰۃ : کتاب الایمان)

تو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، یا اگر تو اسے نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہاں پر محدثین نے احسان سے مراد "اخلاص" لیا، چونکہ تصوف کی حقیقت بھی یہی "اخلاص" ہے جو بدرجہ اتم سالک کو حاصل ہو جاتی ہے اس اعتبار سے بعض متصوفین نے تصوف کا ماخذ احسان قرار دیا۔ حدیث شریف میں احسان کے مفہوم کو اسلام اور ایمان سے الگ قرار دیا گیا۔ جس کو اگر اسلام سے علیحدہ قرار نہ بھی دیا جاسکتا ہو، تاہم پھر بھی کم از کم مسلمان کی عرفانی زندگی پر ضرور دلالت ہے۔

تقویٰ اور صبر

سفید حیات کو موت کے ساحل تک پہنچنے کے لئے متعدد آبادوں سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی تو حین تنہا ہیں اور فرحت بخش امیدیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور کبھی غم و آلام اور کرب و مصائب کے وجود پاش تھپیڑ سے اس کو اپنے زرخیز میں لے لیتے ہیں۔ حالات کے بیکار سمندر میں کبھی تو طرب و نشاط کی موجیں اسے ہمسریوں پر اٹھائیت ہیں اور کبھی پریشانی اور اضطراب کے وحشت ناک بھنور میں جا پھینکتی ہیں۔

حالات کی زما نوعی اور پیمانہ انجیز انقلابات کے تنوع و اختلاف پر کیا کسی شخص کو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ کیا مصائب پر آہ و نغال اور ماتم و نوحہ کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے۔

اں وہ لوگ جنہیں قرطاس حیات پر واضح نقوش ثبت کرنے ہوں۔ ان کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت مقاصد زندگی کی تکمیل کی خاطر جان کا دی، دیدہ ریزی اور محنت و مشقت کے ساتھ ساتھ نتائج کے انتظار میں صبر و ثبات اور استقامت و استقلال کا دامن تھامے رکھیں۔

تقریبی جو مسلمان کے اس کردار کا نام ہے جس سے اس کی شخصیت میں حسن، توازن، سنجیدگی، ثبات اور وقار

پیدا ہوتا ہے۔ مصائب و آلام کے وقت صبر اور مصابروں
جس آس کا ایک تقاضا ہے۔

ارشاد باری ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَأَوْرَابِعُوا اخْتَدِ

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو صبر کرو اور ثابت قدم رہو، خدمتِ حق کے لئے آمادہ ہو
اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

صبر کا معنی کیا ہے ؟ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

تنگی اور شدت کے وقت روکنے کو صبر کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں

"صبرت الذابہ" میں نے بغیر چارہ کے جانور کو روک لیا۔ جانشین بنا لینے

کے معنوں میں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے، اعلیٰ مقام تک اعمال کرنے اور

برے اعمال سے باز رہنے پر انفس کو پابند رکھنا صبر کہلاتا ہے۔

مصابرہ کا مفہوم صبر سے تصورِ مختلف واقع ہوا ہے۔ عام طور پر یہ

کا مطلب دشمن کے مقابلہ میں پامردی دکھانا لیا جاتا ہے۔ باطل کے خلاف

ایک دوسرے سے بڑھ کر کمر بستگی کا مظاہرہ کرنا بھی مصابرہ کے مفہوم میں

داخل ہو سکتا ہے۔

تقویٰ اور تیاری جہاد

مسلمان خالق کائنات کی طرف سے وہ انقلابی جماعت ہے جو ہر دم

خدمتِ انسانیت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ جہاں بھی اور جس وقت بھی

کوئی ابدی اور سرکش قوت "فساد" کے لئے اپنا دام ہر گز زمین بھپاتی ہے

انہی خدائی صفوں میں حرکت آجاتی ہے۔ ایک ایک مسلمان لذتِ حیات

سے بے کشا ہو کر موت سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔

ظاہر ہے باطل اور طاغوت کو در سب عبرت دینے کے لئے طاقت اور

قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مسلمانوں کو فلاح

انسانیت کے لیے دیگر صلاحیتیں بروئے کار لانے کا پابند کرتا ہے وہاں

"اعذوا لخصم استضعفتم" کے تحت دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی تادی

تیاری کا بھی حکم دیتا ہے۔

تقویٰ جو کردارِ مومن کا دوسرا نام ہے، اپنے حائل میں یہ نگر

اور سوچ بھی آجاتا ہے کہ قلبِ اسلام کے لئے مشلمان کو

ہر دم دشمن کے مقابلہ میں تیار اور کمر بستہ رہنا چاہیے۔

ارشادِ ربِّ ذوالجلال ہے

وَرَابِعُوا اخْتَدِ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (۳ : ۲۰۰)

خدمتِ حق کے لئے آمادہ اور تیار رہو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

رابطہ اور رابطہ کا لغوی معنی تو گھوڑے کو حفاظت کے لئے کسی جگہ مضبوطی سے
باندھ دینا ہوتا ہے اور اس سے "رابطہ انجمن" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
اصلاحی طور پر اپنے آپ کو غلبہ دینے کے لئے آمادہ عبادت کا پابند اور دشمن کے
مقابلے میں کمر بستہ رہنے کو رابطہ کہتے ہیں۔

صاحب مفردات نے رابطہ کے مفہوم کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ایک قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری
نماز کے لئے تیار رہنا بھی رابطہ ہے۔
"رابطہ کا اعلیٰ مقام اور مرتبہ یہی ہے کہ انسان "جہاد فی سبیل اللہ"
کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

اے پروردگار عالم! میں دل کی گہرائیوں میں شہر آشور
ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے توفیق بخشی کہ "تقویٰ" کے موضوع
پر کچھ لکھنے کے قابل ہوں۔ میں اس امید کے ساتھ لکھ رہا ہوں
کہ سینہ ہوں کہ تو پھر بھی اسے چمنستانِ دین سے گل چینی کی
توفیق عطا فرماتا رہے گا۔

اللا الہ الا اللہ! تو چاہے تو دیت سے ستون کا کام لے
لے اور چاہے تو جاہل کو فیضِ علم کا سرچشمہ بنا دے۔ دنیا کا
نظام تیری نگاہِ عنایت ہی سے چل رہا ہے۔

اے مسیح اللہ! زمین پر بسنے والی انسانیت تیرے
مقصودی نظام سے دور ہو رہی ہے۔ اسے قرآن کے قریب



تقریظ

پیر طریقت مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب ہاشمی
پرنسپل جامعہ فریدیہ داتا گرامی جماعت اہلسنت پنجاب ساہیوال

جماعت اہلسنت کی تنظیم نو کے سلسلے میں جامعہ فریدیہ ساہیوال میں
تھوڑے سے وقت میں مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب سید اللہ تعالیٰ
سے ملاقات ہوئی تھی۔ گو میرا ان سے پہلے تعارف نہیں تھا تاہم آج
ان کی علمی و تحقیقی تصنیف "حقیقتِ تقویٰ" عزیزِ ساتیں نذیر حسین الفریدی
نے لا کر دی۔ پڑھنے کے بعد مصنف کی علمی قابلیت، دین سے گہری
وابستگی اور مسلکِ حق کی خدمت کے مقدس جذبے کا پتہ چلتا ہے
اللہ کریم جل مجدہ مولانا کو دین و مسلک کی بیش از بیش خدمت
سراجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ع
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دعائے

ابوالنصر منظور احمد

یکم ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

مطابق ۸ جنوری ۱۹۹۱ء

بزم طالبانِ رضائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(رجسٹرڈ)

اغراض و مقاصد

بزم طالبانِ رضائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) راولپنڈی، خالص دینی، مذہبی اور
رفاعی تنظیم ہے۔ جو مسلکِ اہلسنت کا تحفظ، بقا اور فروغ و اشاعت کے لئے گزشتہ
سال قائم ہوئی۔ مختصر سے عرصہ میں اس نے اپنے مقاصد کی تحسین کیئے خاطر خواہ کام
کیا ہے۔

اغراض و مقاصد

- * اسلام کے زریعے اور آفاقہ پیغام کہ تبلیغ اور امت مسلمہ میں
اتحاد پیدا کرنا۔
- * غیر اسلامی نظریات کے خلاف جد مسلسل کرنا۔
- * دینی کتبے اور رسائل کو شائع کرنا۔
- * غیر اسلامی رسوم کے خاتمے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔
- * دینی مسبینے کے مطالعہ کے لئے لائبریریوں کا انتظام کرنا۔
- * اہلسنت کے مدارس، کتبے اور رسائل سے عوام الناس کو
متعارف کرنا۔
- * خدمتِ دین اور عقائدِ اہلسنت کے تشہیر کیئے ہر مفید اقدام کرنا۔
- * اہلبیت، صحابہ کرام اور اولیاءِ عظام کے مشن سے عوام الناس کو
روشن کرنا۔

جناب محمد شریف سیالوی ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایل ایل ایم
کے فکری و علمی مضامین کا مجموعہ :

سورج فکر

اہل علم،
تکانون دان افراد
طلباء اور عوام
کیلئے
بیکساں مفید

چند اہم عنوانات
و قرآن اور تصورِ عدل و تصورِ حکمت و اسلام کا معنی نظام
و اسلامی نظامِ تعلیم و شخصی ملکیت اور حق ریاست و بند و مزدور
و ہمیر اور اس کی شرعی حیثیت و پردہ اخلاقی و نفسی ضرورت

"CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS"

شیخ التبلیغ شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ کی جاپان میں کی گئی اہم تقریر کا اردو ترجمہ
ترجمہ: رضا فاروقی

سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ

حضرت شیخ
التبلیغ کے حالات
زندگی اور
ڈاکٹر سید سلیمان
رپی ایچ ڈی
کے
تقریرات کے ساتھ

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی (ریجنل)